13

خُدا کی اطاعت کرنیوالے ہی اس کے انعامات کے وارث ہوں گے

(فرمودہ ۲۸/ اپریل ۱۹۱۶ء)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (التوبہ: ۸۱: ۸۲)

انسان کو خدا تعالیٰ نے سب سے بڑے انعامات کا وارث بنایا ہے اور اس کی ترقیات کے لئے بڑے بڑے وسیع راستے کھولے ہیں۔ حتّٰی کہ انسان ان راستوں کو محدود نہیں کر سکتا۔ جو طریق یا راستے مدارج کے حصول کے لئے مقرر کئے گئے ہیں چہ جائیکہ ان مدارج کو محدود کر سکے۔ دنیا کے مختلف پیشے اور علوم بھی اگر انسان گننے لگ جائے تو وہ بھی ایسی کثرت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ان کا گننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر سورج انسان کے لئے نئے علوم اور ترقیات لاتا ہے پس جب اس قدر انعامات انسان کے لئے مقرر ہیں تو ضرور تھا کہ اس کے لئے ابتلاء اور مشقتیں بھی مقرر کی جاتیں۔ انعامات کا وارث وہی ہوا کرتا ہے جو اپنے آپ کو ان انعامات کا مستحق ثابت کرے۔ انعام محنت کے بدلے میں اور کسی استحقاق یا کسی خاص حالت کی وجہ سے ملتے ہیں ورنہ ایک جیسے انسانوں کو انعامات نہیں ملا کرتے پانچ سات آدمیوں میں انعام لینے والا وہی ہوگا جو اپنے اندر کوئی خاص امتیاز رکھتا ہوگا۔ جہاں ایسے وسیع انعامات مقرر ہوئے ہیں وہاں ابتلاء بھی مقرر ہیں جس طرح انسان ان انعامات کو جو اس کے لئے مقرر ہیں گن نہیں سکتا اسی طرح انسان ان ابتلاؤں کو بھی جو اُسے پیش آنے والے ہیں گن نہیں سکتا جن میں پڑ کر انسان ان انعامات کا جو اس کے لئے مقرر ہیں وارث ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے جس قدر انعامات غیر محدود ہیں اسی قدر خدا کے ابتلاء بھی غیر محدود ہیں اگر صداقت

کے ردّ کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ سے دور ہو جانے والے لوگوں کو پوچھو کہ کیوں تم نے یُوں کیا۔ تو ہر شخص اپنے لئے جدا جدا باعث بتائے گا۔ جو وجہ ایک کی ہوگی وہ دوسرے کی نہیں ہوگی۔ ایک کے لئے روک اَور ہوگی دوسرے کے لئے اَور تیسرے کے لئے اَور۔ چوتھے کے لئے اَور۔ پانچویں کے لئے اَور۔ ان میں سے ہر ایک شخص جو اس صداقت کو نہیں مانتا۔ وہ اپنے لئے مختلف وجہیں رکھتا ہے۔

غرضیکہ ہر ایک کے لئے جدا جدا ابتلاء ہیں۔ یہ آزمائشیں دو درجوں میں منقسم ہیں ایک آزمائشیں انعام کی ہوتی ہیں۔ دوسری عذاب کی ہوتی ہیں۔ یا تو ایسی آزمائشیں ہوتی ہیں کہ وہ انعامات کا رنگ رکھتی ہیں یا کوئی بڑا ہو جاتا ہے دولت مل جاتی ہے اس کے لئے اس کی دولت ابتلا ہو جاتی ہے۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مَیں ایک مفلس نادار آدمی کو جس کی کچھ بھی لوگوں میں حیثیت نہیں مان لوں اور اس کا فرمانبردار بن جاؤں۔ عہدہ دار خیال کرتا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ماتحت کی بیعت کر لیں۔ اسی طرح کسی کے لئے اس کا آرام اور آسائش سامانِ ابتلاء ہو جاتا ہے۔ ہم نے ایسے آرام سے زندگی بسر کی ہے ایسی آسائشوں اور نعمتوں میں پرورش پائی ہے۔ اب اگر دین پر چلیں گے اور کسی کے ماتحت ہوں گے تو یہ آرام اور آسائش نہیں رہے گی۔ اسی طرح آرام اور آسائش بعض لوگوں کے لئے ابتلاء کا موجب بن جاتی ہے۔ ایک طالب علم ایک سال وظیفہ لیتا ہے تو دوسرے سال کے لئے بھی اس کے دل میں شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ اس سال بھی وہ وظیفہ لے تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس مال اس دولت اس بزرگی اور برتری اور عیش و تنعم کے سامان سے فائدہ اٹھائیں اور یہ خیال کریں کہ وہ خدا جس نے بغیر کسی قسم کی محنت کے بغیر کسی قسم کی مشقت کے اس قدر انعامات ہم پر کئے ہیں اگر ہم اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے تو کس قدر انعامات حاصل ہوں گے۔ ان لوگوں نے اسی قدر پر قناعت کر لی ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے یہ آزمائشیں مصائب کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں آگے کونسا سُکھ ملا ہے۔ ہم آگے کس آرام میں ہیں کہ اس کو مان کر وہ پالیں گے۔ کوئی خدا کی طرف سے آیا ہو تو ہمیں اس کے ماننے سے کیا۔ ہم آگے ہی دکھوں اور مصیبتوں میں ہیں اس کو مان کر اور دکھوں اور مصیبتوں میں پڑ جائیں گے۔ پس اگر ایک طرف انعامات کے ذریعے

سے آزمائشیں ہوتی ہیں۔تو دوسری طرف مصائب اور مشکلات کے ذریعے سے بھی لوگ آزمائے جاتے ہیں۔

پھر آگے ان دونوں قسموں کی ہزار قسمیں ہیں لیکن اگر انسان ذرا غور کرے کہ کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کے لئے محنت نہ کی جائے تو پھر انسان کے لئے اللہ کی راہ میں محنتیں اور مشقتیں کوئی چیز نہیں۔ وہ فوائد جن کے لئے انسان کو امید ہوتی ہے کہ ہمیں مل جائیں گے۔ان کے لئے انسان کس قدر محنت کرتا ہے اور رات دن لگا رہتا ہے۔اس لئے کہ اس محنت میں ایک فائدہ دیکھتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اسے جلد ملنے والا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ فائدہ حاصل ہے مگر دراصل وہ انہیں حاصل نہیں پس اگر انہیں یہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ اللہ کا رسول لایا ہے اگر ہم اس کو مان لیں گے تو اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق ہو جائیں گے تو پھر ان مصائب کو اس رسول سے روکنے کی وجہ نہ بتاتے بلکہ فوراً اس کو مان لیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ جس بات کو یہ لوگ ردّ کرتے ہیں اس کے ماننے میں بڑے بڑے انعامات ہیں اور اس کے نہ ماننے میں بڑی بڑی تکلیفیں مشقتیں اور عذاب۔ وہ قوم جو مصائب کو دیکھ کر کسی فائدے کو چھوڑ دے بجائے آگے قدم مارنے کے پیچھے رہتی ہے۔ایک انسان کو اگر ایک راستے پر گزرنے سے کپڑوں اور مال کے لُوٹے جانے کا خطرہ ہو اور دوسرے راستے پر گزرنے سے جان جانے کا خطرہ ہو تو وہ خیال کرکے کہ جان بچی لاکھوں پائے اس راستہ کو ترک کردے گا۔جس میں اس کی جان جانے کا خطرہ ہے اور اس رستہ کو اختیار کرے گا کہ جس میں اس کے مال کا اندیشہ ہے۔پس اسی طرح جسے یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اور اس کی بھیجی ہوئی صداقتوں کا انکار کرکے جو عذاب ملنے والا ہے وہ ان مشقتوں اور تکلیفوں سے بہت بڑھ کر ہے جو ایک صداقت اور اس کے لانے والے کو مان کر پڑنے والی ہیں تو پھر انسان ان صداقتوں کا انکار نہیں کر سکتا۔اور ان مصیبتوں اور مشقتوں سے نہیں گھبراتا۔

جو لوگ صداقتوں کے منکر ہوں وہ مجبور ہیں لیکن جو جماعت صداقت قبول کر چکی ہے اور اس پر ایک اور ایک دو کی طرح یہ روشن ہو گیا ہے ایسی جماعت کے پیچھے

ہٹنے پر از حد افسوس ہے۔ ہماری جماعت کے لئے بھی یہ ایک امتحان کا موقع ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم مِلا۔ اور وہ ایسے برگزیدہ انسان کے ذریعہ آیا۔ جس کی نوحؑ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے پیغمبروں نے خبر دی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے اولیاء اور خدا کے برگزیدہ انسان اس کے متعلق بیان کرتے چلے آئے تھے۔ بلکہ اس کو دیکھنے کے مشتاق تھے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔ پھر اس کے ساتھ وعدہ تھا۔ کہ جو میرے احکام کی فرمانبرداری کریں گے وہ میرے انعامات کے وارث ہوں گے کیا ہماری جماعت نے اس بات پر غور کیا کہ کیا وہ وہ مشقتیں جو ان انعامات کے لئے ضروری ہیں برداشت کر چکی ہے۔ افسوس آتا ہے۔ جب کہتے ہیں کہ گاؤں والے دُکھ دیتے ہیں کیا ایسا انسان خدا تعالیٰ کے انعام کا وارث ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان انسان کو کیا دکھ دے سکتا ہے۔ فرعون بڑا مشہُور اور چالاک بادشاہ تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے کچھ آدمی منتخب کئے ان کی یہ حالت تھی کہ فرعون ان کو اپنا مصاحب اور درباری بنانے کا وعدہ کرتا ہے اور ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہمیں کچھ مل جائے ان کے علم کی کمزوری ان کی جہالت کی وجہ سے بادشاہ کے درباریوں میں شامل ہو جانا کوئی چیز نہیں دو چار روپے مل جائیں۔ ایسی جہالت میں پڑے ہوئے لوگوں کے سینے خدا کے پیغام کے لئے کھل جاتے ہیں۔ وہی فرعون جس سے پیسے مانگتے تھے وہ اب ڈراتا ہے دھمکاتا ہے کہ مَیں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر ہوَا کیا اسکا نتیجہ موت ہی ہوگا نہ کہ کچھ اَور۔ ہم خدا کے پاس ہی جائیں گے کیا خوب وہ جواب دیتے ہیں کہ تم اگر ہمیں مار دو گے تو ہمیں تو جنت مل جائے گی۔ جس موت سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ تو ہمارے لئے جنّت کا دروازہ کھولتی ہے۔ انسان کا عذاب کچھ عذاب نہیں ہوتا۔ جس انسان سے انسان ڈرتا ہے۔ ڈرنے والے کو کیا معلوم کہ اس کی کس وقت جان نکل جائے گی۔

ایک خدا کے بزرگ تھے بادشاہ دہلی نے کہا کہ ہم سفر سے واپس آکر تمہیں مروا ڈالیں گے۔ وہ سفر سے جب واپس آنے کے قریب ہوَا۔ تو بزرگ کے شاگردوں نے انہیں کہنا شروع کیا کہ اب تو بادشاہ آتے ہیں کوئی انتظام کرنا چاہیئے اُنہوں نے کہا۔ ہنوز دہلی دُور است۔ پھر جب بادشاہ وہاں سے چل پڑا۔ پھر مُریدوں

نے کہا کہ حضور اب تو بادشاہ وہاں سے روانہ ہو چکا ہے کوئی انتظام ہونا چاہیئے انہوں نے کہا۔ ہنوز دلّی دور است ۔ پھر انہوں نے جب بادشاہ دو چار منزل آ گیا عرض کیا کہ حضور اب تو دو چار منزل پر آ پہنچا۔ کہنے لگے۔ ہنوز دلّی دور است ۔ جب ایک منزل پر پہنچا تو لوگوں نے کہا حضور! اب تو ایک منزل پر پہنچ چکا۔ حضور کوئی انتظام فرمائیں۔ مطلب یہ کہ امراء وغیرہ سے کہہ کر معافی مانگ لیں۔ انہوں نے پھر اپنے پہلے جواب کو ہی دہرایا۔ ہنوز دلّی دور است ۔ خدا تعالیٰ نے بادشاہ کو ایسے عذاب میں گرفتار کیا کہ دلّی میں داخل ہونے سے پہلے بیمار ہوا اور ان کے دریافت حال سے پہلے پہلے مر گیا۔ [1] جو انسان خدا کے حضور میں اپنا معاملہ ڈال دیتا ہے اس کو انسان بیچارہ کیا دُکھ دے سکتا ہے۔

اور اگر منشاء الٰہی یہی ہو کہ اسے کچھ مشقّتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں تو ان سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ دونوں بڑی بڑی رحمتوں اور انعامات کا سرچشمہ ہیں ایک انسان جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور اس بھاگنے میں اسے بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ پسینہ آ جاتا ہے۔ ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بھوک پیاس برداشت کرتا ہے۔ ایک مکان میں آگ لگ جائے تو اس وقت یہ کھڑکی سے کود پڑتا ہے جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ آگ سے بچنے کے لئے کودنا اسے دوبھر معلوم نہیں ہوتا۔ جہاں انعام ہو اس کے لئے مشقّت برداشت کرنا کوئی مشکل نہیں۔ پس جو خدا تعالیٰ کے انعامات کا وارث بننا چاہتا ہے تو اسے کسی کے دکھ دینے کا کیا فکر ہے چھوٹے سے چھوٹا عذاب مومن کے لئے موت ہے۔ اگر دشمن اسے جانی یا مالی تکلیف دیتے ہیں تو موت تک دیتے ہیں لیکن موت کے بعد پھر تو کوئی عذاب نہیں۔

صحابہ موت کو معمولی بات سمجھتے تھے۔ اور یہی ان کی ترقی کا راز تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کافروں میں سے نکلا اور اس نے بہت سارے مسلمانوں کو شہید کیا۔ حضرت ضرار بن ازدر جو مسلمانوں میں بہت بہادر تھے اور جن کا تاریخ میں بہت ذکر آتا ہے اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد یہ اس کے سامنے سے بھاگے۔ مسلمانوں میں بھاگنا ہوتا ہی نہیں تھا۔ سب مسلمان حیران کھڑے تھے کہ

[1] تذکرہ اولیائے کرام 1 دبستان ص ۹۷

انہیں یہ کیا ہو گیا چنانچہ وہ اپنے خیمے میں گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو باقی فوج کے آدمیوں نے کہا آپ نے یہ کیسی بُزدلی دکھائی۔اور اسلام کے برخلاف کام کیا کہ آپ ایک کافر کے سامنے سے بھاگے۔آپ نے کہا کہ مَیں اس لئے نہیں بھاگا تھا کہ مجھے جان کا خوف تھا۔بلکہ جب میں اس کافر کے مقابلہ کو نکلا تو میرے جسم پر زرہ تھی مجھے خیال ہؤا کہ یہ زرہ موت کے خوف سے ہے اگر موت اس زرہ کے پہننے کے باوجود بھی آجائے۔تو اچھی بات نہیں۔کیا خدا کو میں جا کر یہ کہوں گا کہ الٰہی ! مَیں تیری ملاقات کا شائق نہ تھا جو مَیں نے ایک کافر کے مقابلہ میں زرہ پہن لی تھی اس لئے میں بھاگا کہ میں جلد جا کر زرہ اتار دوں۔اور پھر اس کافر کا مقابلہ کروں تا اگر مارا جاؤں تو خدا کے حضور کہہ سکوں مَیں آپ کی ملاقات کا شائق تھا۔[1] اسی طرح حضرت خالدؓ موت کے وقت رونے لگے۔کسی نے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں فرمایا مَیں موت سے نہیں روتا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ مَیں ہمیشہ جنگ میں اس تمنّا سے شامل ہوتا رہا۔کہ اگر یہاں مارا جاؤں تو شہادت کا رتبہ پاؤں لیکن افسوس کہ آج مَیں بستر پر جان دے رہا ہوں۔[2]

الغرض مومن کے لئے موت سب سے چھوٹی تکلیف ہے۔جس کو لوگ سب سے بڑا سمجھتے ہیں۔موت تو اس پردے کے چاک کرنے کا نام ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے۔پس جب بڑی مشقت سب سے چھوٹی نکلی تو اور عذاب اور مشقتیں کیا چیز ہیں جس سے وہ مایوس ہو جائیں۔

ذلیل کرنے والے عذاب مومن پر نہیں آتے۔اور جو دکھ اسے پہنچائے جاتے ہیں وہ اس کے لئے کوئی تکلیف کا باعث نہیں ہوتے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا وہ ان کے لئے گلزار ہوگئی اور جلا نہ سکی۔خیر وہ تو خدا کے نبی تھے۔اور سلسلہ کے آخری پیغمبر تھے۔جو کبھی قتل نہیں ہوتا۔لیکن اگر کوئی اور خدا کا پیارا ہوتا اور وہ اس آگ میں جل بھی جاتا تو اس کے لئے وہ جل جانا بھی گلزار تھا۔کافر کو جو عذاب آتے ہیں وہ مایوس کرنے والے ہوتے ہیں لیکن مومن کو کوئی ایسا عذاب نہیں آتا جو مایوس کر دینے والا ہو۔

ہماری جماعت کے لئے یہ بڑی قابلِ غور بات ہے کہ کن مصائب سے ڈر کر وُہ

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۲۶۹ حالات ضرار بن ازدر۔

[2] تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۲۷۵

اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوتاہی کرتے ہیں۔کیا کوئی قوم ایسی گذری ہے جس نے بغیر مشقتیں اور تکلیفیں اٹھانے کے کوئی انعام حاصل کیا ہو اگر ہوتی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی جماعت ہوتی۔آپ سے بڑھ کر کوئی انسان نہیں گزرا۔آپ سے بڑھ کر کوئی خدا کا پیارا نہیں گزرا۔اگر مصیبتوں سے بچکر کوئی جماعت خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتی۔تو آپ کی جماعت ہی ہوتی۔لیکن برخلاف اس کے یہ جماعت سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھانے والی ہوئی ہے۔تو پھر کسی احمدی کے لئے یہ خیال کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ بغیر کسی قسم کی محنت مشقت برداشت کئے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکے۔مصائب اور مشقتوں کے بغیر ترقی نہیں ہوسکتی۔جب تک انسان جان کو دکھوں میں نہ ڈالے اور تکلیفیں برداشت نہ کرے اس وقت تک اسے انعام نہیں مل سکتا۔اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور رضا کوئی معمولی چیز نہیں جو اس کے لئے انسان کو کوئی مصیبت اور تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے اور وہ یونہی حاصل ہوجائے حالانکہ وہ اس وقت تک حاصل ہو ہی نہیں سکتی جب تک انسان طرح طرح کے دُکھ اور مصائب برداشت نہ کرے۔اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس کی رضاء میں کسی قسم کی قربانی کرنے سے گھبرائیں نہیں اور اس کی رضاء کے لئے ہر طرح کی محنت اور مشقّت اختیار کرکے ہم اس کو پانے کے قابل ہوں۔(اٰمین یا ربّ العٰلمین)

(الفضل ۶رمئی ۱۹۱۶ء)